تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ

المنار

جلد نمبر : 3   اپریل 2013ء   شمارہ نمبر : 4

ایڈیٹر : مقصودالحق

نائب ایڈیٹر: مبارک احمد صدیقی   مینیجر : سید نصیر احمد

المنار ہر ماہ باقاعدگی سے جماعت احمدیہ کی مرکزی ویب سائٹ alislam.org پر upload کردیا جاتا ہے۔آپ گزشتہ شمارے دیکھنا چاہیں تو Periodicals کے حصّہ میں جا کر ان کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ المنار کو ہمیشہ آپ کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔(ادارہ)

تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ
53, Melrose Road, London, SW18 1LX
فون:020 8877 5510 فیکس:020 8877 9987
ای میل:ticassociation@gmail.com

قال اللہ تعالیٰ

قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ:تو کہہ دے کیا علم والے لوگ اور جاہل لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟نصیحت تو صرف عقلمند لوگ حاصل کیا کرتے ہیں۔(سورۃالزمر آیت10)

قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

۞ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو خوب چرو۔صحابہؓ نے عرض کیا حضور ریاض الجنۃ سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجالسِ علمی، یعنی ان مجالس میں بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔(الطبرانی)

۞ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم حاصل کرو۔علم حاصل کرنے کیلئے وقار اور سکینت کو اپناؤ اور جس سے علم سیکھو اسکی تعظیم وتکریم کرو اور ادب سے پیش آؤ۔(الطبرانی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا صدقہ یہ ہے کہ ایک مسلمان علم حاصل کرے پھر اپنے مسلمان بھائی کو سکھائے۔(ابن ماجہ)

۞ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکمت اور دانائی کی بات مومن کا گمشدہ سرمایہ ہے۔جہاں کہیں وہ اس کو پاتا ہے وہ اس کو اپنانے اور قبول کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

کلام الامام

''یادرکھو حقائق اور معارف کا تعلق علوم سے ہے۔جس قدر معرفت وسیع ہوگی،حقائق کھلتے جائیں گے۔پس تحققات کرتے وقت دل کو بالکل پاک اور صاف کرکے کرے۔جس قدر دل تعصب اور خودغرضی سے پاک ہوگا،اسی قدر جلد اصل مطلب سمجھ میں آجائے گا۔نور اور ظلمت میں جو فرق ہے اسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی جانتا ہے۔سچی اور صحیح بات ایک ہی ہوتی ہے۔''

(ملفوظات جلد1ایڈیشن2003صفحہ 468)

امام الکلام

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اِک عالَم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اِس میں مہیّا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اِس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں، ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اِک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

نماز کیلئے آنکھ نہ کھلنے کا علاج

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ،حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابیؓ کی روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’جون 1894ء میں جب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت کی ،اس وقت گرمی کے دن تھے۔میری صبح کی نماز قضاء ہوجاتی تھی۔میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضورمیں عریضہ لکھا کہ میری صبح کی نماز قضاء ہوجاتی ہے میرے واسطے دعا فرماویں۔اس کے جواب میں حضرت صاحب نے لکھا کہ ہم نے دعا کی ہے۔تم برابر استغفار اور درود کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔اس دن سے ہمیشہ وقت پر آنکھ کھل جاتی رہی۔آج تک صبح کی نماز قضاء نہیں ہوئی سوائے شاذ و نادر سفر یا بیماری کے وقت کوئی نماز قضاء ہوگئی ہو۔یہ استجابت دعا کا نشان ہے اور میرے لیئے ایک معجزہ ہے۔الحمدللہ۔‘‘

کئی لوگوں سے میں پوچھتا ہوں کہتے ہیں کہ آنکھ نہیں کھلتی۔وہ اس نسخہ کو آزمائیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 جنوری 2006ء بمقام مسجد اقصیٰ قادیان دارالامان)

چرخۂ کائنات

ایک عالم نے ایک بڑھیا کو چرخہ کاتتے دیکھ کر فرمایا کہ اے بڑھیا!ساری عمر چرخہ ہی کاتا، یا کچھ اپنے خدا کی پہچان بھی کی؟ بڑھیا نے جواب دیا بیٹا سب کچھ اسی چرخے میں دیکھ لیا۔عالم نے پوچھا بڑی بی تو بتاؤ کہ خدا ہے کہ نہیں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہاں ہر گھڑی اور ہر وقت خدا موجود ہے۔عالم نے پوچھا مگر اس کی کوئی دلیل؟ بڑھیا بولی دلیل یہ میرا چرخہ! جب

تک اس چرخے کو چلاتی رہوں یہ برابر چلتا رہتا ہے اور جب میں اسے چھوڑ دیتی ہوں تو یہ ٹھہر جاتا ہے۔جب اس چھوٹے سے چرخے کو چلانے والے کی ضرورت ہے تو زمین، آسمان، چاند اور سورج جیسے بڑے بڑے چرخوں کو چلانے والے کی ضرورت کیوں نہ ہوگی؟ ہم نے کبھی زمین وآسمان ٹھہرے نہیں دیکھے تو جان لیا کہ اس کو چلانے والا ہر گھڑی موجود ہے۔

مولوی صاحب نے سوال کیا اچھا یہ بتاؤ کہ آسمان وزمین کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو؟ بڑھیا نے کہا ایک!اور اس دعوے کی دلیل بھی یہ میرا چرخہ ہی ہے۔اس چرخے کو جب میں اپنی مرضی سے ایک طرف چلاتی ہوں تو یہ میری مرضی سے ایک ہی طرف چلتا ہے۔اگر کوئی دوسری چلانے والی بھی ہوتی پھر یا تو وہ میری مددگار ہوکر میری مرضی کے مطابق چرخہ چلاتی تو چرخے کی رفتار تیز ہوجاتی اور اگر وہ میری مرضی کے خلاف اور میرے چلانے کی مخالف سمت پر چلاتی تو یہ چرخہ چلنے سے ٹھہر جاتا، یا ٹوٹ جاتا مگر ایسا نہیں ہوتا اس وجہ سے کہ کوئی دوسری چلانے والی ہے ہی نہیں۔اسی طرح زمین وآسمان کا چلانے والا اگر کوئی دوسرا بھی ہوتا تو دن رات کے نظام میں فرق آجاتا، یا تو اس کی رفتار تیز ہوجاتی یا یہ چلنے سے ٹھہر جاتا۔جب ایسا نہیں ہوتا تو ثابت ہوا کہ زمین وآسمان کو چلانے والی ہستی ایک ہی ہے۔

(100 دلچسپ واقعات صفحہ 24)

المنار نیوز لائین

گذشتہ کچھ عرصے میں تعلیم الاسلام کالج کے بعض اساتذہ اور تعلق رکھنے والے احباب اس دنیا سے رخصت ہوئے۔**اناللہ وانا الیہ راجعون**۔ان میں مکرم ومحترم پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب سرِ فہرست ہیں۔ان کے بارے میں کچھ کوائف اور نوٹ گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکے ہیں۔مرحوم کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ایک عرصہ تک تعلیم الاسلام کالج یونین کے سرپرست بھی رہے۔اس دوران ہمارے طلبہ نے پاکستان کے شہروں کے بہت سے کالجوں میں ٹی آئی کالج کی نمائندگی کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹرافیاں اور انعامات حاصل کئے۔ایسے مواقع پر آپ کالج کے مقررین کی بہت پُرشفقت حوصلہ افزائی فرماتے۔

۞ دیرینہ خادم سلسلہ مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب 16مارچ 2013 کو ربوہ میں بعمر 79 سال وفات پا گئے۔آپ پیدائشی طور پر وقف تھے۔

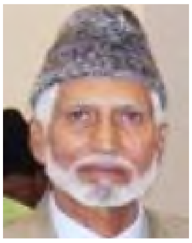

تعلیم الاسلام کالج سے گریجویشن کے بعد 1953 میں بطور واقف زندگی خدمات کا آغاز کیا۔بہت سے جماعتی عہدوں پر کام کرنے کا موقع ملا۔بوقت وفات آپ بطور وکیل التعلیم تحریک جدید خدمت بجالا رہے تھے۔

۞ تعلیم الاسلام کالج میں اسلامیات کے پروفیسر، D.P.E اور لائبریرین مکرم چوہدری محفوظ الرحمن صاحب 4اپریل 2013 کو ربوہ میں وفات پا گئے۔آپ طلبہ کے ساتھ بہت خندہ پیشانی اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے اور اپنے شاگردوں میں بہت ہر دل عزیز تھے۔

آپ کے بڑے بیٹے مکرم چوہدری وسیم احمد صاحب (صدر مجلس انصاراللہ یوکے) انگلستان میں مقیم ہیں اور برطانیہ میں تعلیم الاسلام کالج کی اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے پہلے نائب صدر رہے ہیں۔

۞ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بیالوجی کے پروفیسر مکرم چوہدری صادق علی صاحب

10مارچ 2013 کو آسٹریلیا میں بعمر 71 سال وفات پا گئے۔مرحوم نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے گریجویشن کے بعد پشاور یونیورسٹی سے باٹنی میں ماسٹرز کیا اور پھر 1966 میں ٹی آئی کالج ربوہ کے ساتھ بطور لیکچرار منسلک ہوگئے۔2002 میں ریٹائر ہوئے۔2007 میں اپنے بچوں کے پاس آسٹریلیا منتقل ہوگئے جہاں تا وقت وفات آپ صدر قضا بورڈ کے طور پر خدمت بجالاتے رہے۔

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ سب مرحومین کے جملہ اہلِ خانہ سے دلی تعزیت کا اظہار کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت اور مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند فرماتا رہے۔(آمین)

(مرحومین کے بارے میں تفصیلی نوٹ الفضل ربوہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

ذکر ایک بے تکلّف مجلس کا

گزشتہ دنوں تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کی ''مجلس علم وعمل'' کو امیر گھانا مکرم مولانا عبدالوہاب آدم صاحب کے ساتھ ایک بے تکلف نشست کے انعقاد کا نادر موقع ملا۔ مہمان محترم نے اس مجلس میں اپنے قیام ربوہ (1952 تا 1960) کے لطیف واقعات اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے وابستہ اپنی یادوں کا تذکرہ نہایت شگفتہ پیرائے میں فرمایا۔ 6 اپریل 2013 کو سرائے انصار لندن میں منعقد ہونے والی اس نشست میں 37 سابق طلبائے تعلیم الاسلام کالج نے شرکت کی اور اس باغ و بہار مجلس سے لطف اندوز ہوئے۔

اجلاس کے دوسرے حصے میں مکرم عطاء القادر طاہر صاحب نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں فزکس کی آخری کلاس کا احوال ایک انشائیے کی صورت میں پیش کیا۔ مجلس علم وعمل کے سیکریٹری مکرم مبارک احمد صدیقی صاحب کی درخواست پر 2 سابق طلبہ مکرم جمیل الرحمن صاحب اور مکرم مقصود الحق صاحب نے مختصر شعری کلام بھی پیش کیا۔ آخر میں صدر ایسوسی ایشن مکرم عطاء المجیب راشد صاحب نے مہمان موصوف کا شکریہ ادا کیا اور پھر دعا کے ساتھ یہ یادگار مجلس اپنے اختتام کو پہنچی۔ گروپ فوٹوز اور نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد حاضرین کی کھانے سے تواضع کی گئی۔ مکرم عبدالوہاب آدم صاحب کے بیان کردہ چند لطیف و شگفتہ واقعات ہدیۂ قارئین ہیں:

☆ تین چار دن ہوئے (تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے) اس پروگرام کی دعوت ملی تھی۔ پروگرام کے وقت میں تبدیلی بھی ہوئی۔ پہلے مغرب کے بعد کا وقت رکھا گیا تھا پھر عصر کے بعد ہو گیا۔ چونکہ مجھے کچھ کام بھی تھا اس لئے ڈر تھا کہ لیٹ نہ ہو جاؤں۔ لیٹ ہونے کا خیال آیا تو ''**بڑا بچہ**'' یاد آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی اردو

کلاس کے بڑے بچے (اسمٰعیل آڈو صاحب) کو سب جانتے ہیں۔ جب گھانا میں پہلا احمدیہ سکول کھولا گیا تو یہ اس میں اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر تھے۔ پھر ترقی کر کے ایتھوپیا میں گھانا کے سفیر بنے۔ ڈیفنس کمیٹی کے چیئرمین بھی رہے۔ گھانا میں جب ملٹری ٹیک اوور ہوا تو اس وقت ملک میں کافی گڑبڑ تھی۔ چنانچہ باہر کے ملکوں میں جتنے سفیر تھے ان میں سے کئی ایسے تھے جو واپس نہیں گئے۔ آڈو صاحب عدیس ابابا سے لنڈن آ گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ایم ٹی اے پر بڑے پیار سے اردو سکھایا کرتے تھے۔ اس کا ایک واقعہ ہے کہ آڈو صاحب کلاس کے لئے آرہے تھے کہ لیٹ ہو گئے۔ انہوں نے وہاں جو دوست تھے ان سے کہا کہ میں لیٹ ہو گیا ہوں اگر حضرت صاحب مجھ سے پوچھیں تو کیا جواب دوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہہ دینا کہ میں شرمندہ ہوں۔ چنانچہ وہ ''شرمندہ ہوں، شرمندہ ہوں'' یاد کرتے ہوئے کلاس میں پہنچے تو اتفاق سے حضرت صاحبؒ نے پوچھ بھی لیا تو جلدی میں صحیح لفظ بھول گیا اور کہہ دیا کہ حضور میں ''سمندر ہوں''۔ حضورؒ نے پوچھا: ''کیا! آپ سمندر ہیں؟'' آڈو صاحب نے جواب دیا جی حضور میں بہت سمندر ہوں۔ تو آج میں بھی اگر لیٹ ہوا ہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ میں سمندر ہوں۔

☆ امام (عطاء المجیب راشد) صاحب تو ایک لحاظ سے میرے افسر بھی رہے ہیں۔ وہ اس

طرح کہ جب میں 1971 میں بطور مبلغ انگلستان بھجوایا گیا تو یہ امام رفیق صاحب کے نائب تھے۔ میں آ گیا تو میں نمبر 2 ہو گیا۔ پھر (منیر الدین) شمس صاحب آئے تو نمبر 3 ہو گئے۔ لہٰذا میرے لئے امام صاحب کی طرف سے دی گئی اس دعوت کا انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے کہا اچھا پھر انگلش میں کچھ بیان کر دوں؟ تو انہوں نے کہا نہیں اردو میں۔ میں نے کہا کہ میں ٹی آئی کالج میں پڑھا نہیں تو کہا آپ ربوہ میں تو رہے ہیں اس لئے ربوہ کے کچھ واقعات بیان کر دیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ بھاگنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

☆ بعد میں انگلستان سے امام صاحب کی ٹرانسفر جاپان ہو گئی اور میری گھانا میں۔ ان دنوں ہم نے بہت دعوتیں بھی کھائی ہوئی ہیں۔ وہ اس طرح کہ جب یہاں لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ کسی مبلغ کی ٹرانسفر ہو رہی ہے تو وہ ان کی (Farewell) دعوتیں شروع کر دیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ محض ٹرانسفر کی افواہ پر ہی دعوتیں ہو جایا کرتی تھیں اور دعوت کرنے والے کو دعوت کے بعد پتہ لگتا تھا کہ یہ تو محض افواہ تھی۔

ٹی آئی کالج کی بھی کچھ باتیں مجھے یاد ہیں۔ ایک واقعہ بتاتا ہوں۔ کہ وہاں جب Annual Debates ہوا کرتی تھیں تو ہم بھی وہاں جایا کرتے تھے۔ ڈیبیٹ میں حصہ

لینے والا سٹوڈنٹ جب کوئی اچھا پوائنٹ بیان کرتا تو سننے والے 'نکتہ' 'نکتہ' کی آواز بلند کر کے اسے داد دیا کرتے تھے اور پیچھے بیٹھنے والے کچھ شرارتی لڑکے 'نکتی' 'نکتی' بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ تو اس طرح ہم بھی ٹی آئی کالج سے کچھ مانوس ہیں۔

☆ ٹی آئی کالج میں پڑھنے والوں میں صومالی لینڈ کے ابوبکر اور سعید عبداللہ بھی ہوا کرتے

تھے۔ دونوں فٹ بال بھی بہت اچھا کھیلتے تھے اور انگلش ڈیبیٹس میں بھی حصہ لیا کرتے تھے حتیٰ کہ پنجاب یونیورسٹی میں ہونے والی ڈیبیٹس میں بھی۔ ابوبکر صاحب کا ایک کمال یہ

تھا کہ وہ دوسروں کو Convince کرنے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ حجامت بنوانے گئے تو ربوہ کے حجام کو معلوم نہیں تھا کہ افریقنوں کے بال کس طرح کاٹے جاتے ہیں۔ وہ بال کھینچ کر کاٹتے تھے جس سے بال چھوٹے بڑے ہو جاتے تھے۔ جب ابوبکر صاحب کے ساتھ ایسا ہوا تو انہوں نے سوچا کہ یہ تو عجیب سا لگتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ سر منڈوا لیں چنانچہ انہوں نے ٹنڈ کروا لی۔ ٹنڈ کرانے کے بعد انہیں خیال آیا کہ میرے اکیلے کی ٹنڈ ہے یہ تو صحیح نہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک اور طالب علم کو فائدے بیان کر کے ٹنڈ کروانے پر Convince کر لیا۔ اور کہا کہ ٹنڈ کروانے کے پیسے بھی میں دوں گا۔ اسطرح کرتے کرتے انہوں نے بہت سے طلبہ کی ٹنڈ کروا دی۔ اور کالج میں گویا ایک ٹنڈ ایسوسی ایشن بن گئی۔ بعد میں انہیں خیال آیا کہ پرنسپل (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ) ممکن ہے اتنے سٹوڈنٹس کی ٹنڈ دیکھ کر ناراض ہوں تو انہوں نے لٹھے کی بہت سی ٹوپیاں بنوائیں اور سب کو پہنا دیں۔

☆ پتہ چلا تھا کہ ابوبکر صاحب آج کل صومالی لینڈ جسے اب صومالیہ کہتے ہیں کے ایک علاقے کے گورنر ہیں۔ اور سعید عبداللہ بھی ایڈمنسٹریشن میں اچھے عہدے پر ہیں۔ مجھے نہیں پتہ کہ تبشیر کے ساتھ ان کا کوئی رابطہ ہے یا نہیں۔ بہرحال ٹی آئی کالج کے حوالے سے یہ قصہ تھا۔ سعید عبداللہ صاحب اور ابوبکر صاحب کا۔

☆ ربوہ کی کہانی تو سب کو پتہ ہے۔ قادیان چھوڑ کر جب ربوہ میں آئے تو گورنمنٹ کے ریکارڈ میں یہی تھا کہ یہ ایسی جگہ ہے جہاں کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔ بہت سے لوگ کوشش کر چکے تھے کہ یہاں سے پانی نکل آئے مگر نہ نکل سکا۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ اس جگہ کوئی لائف ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اللہ کے فضل سے پانی نکل آیا ۔1952 میں جب ہم ربوہ آئے تو اس وقت پانی نمکین تھا۔ صرف ایک جگہ سے پینے والا پانی نکلتا تھا جو حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کی کوٹھی کے پاس کوئی جگہ تھی۔ ایک ماشکی چمڑے کی مشک میں پانی بھر کر اپنی کمر اور کندھوں پر رکھ کر گھروں میں سپلائی کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ گھانا سے ایک صاحب آئے۔ انہوں نے ماشکی کے کندھے پر مشک دیکھی تو مجھ سے پوچھا کہ یہاں ربوہ کے قریب کوئی

جنگل تو ہے نہیں پھر یہ آدمی ہرن مار کر کہاں سے لاتا ہے؟ میں نے پوچھا کہ ہرن کدھر ہے؟ تو کہنے لگا کہ دیکھو اس نے کندھے پر اٹھایا ہوا ہے۔ میں نے کہا بابا یہ ہرن تو نہیں! یہ تو پانی کی مشک ہے۔

☆ وہاں پر اُن دنوں نہ بجلی تھی نہ پینے کا پانی اور نہ پکی بلڈنگز۔ جس ہوسٹل میں ہم رہتے تھے

اسکی چھت بھی کچی تھی اور فرش بھی کچا۔ بارش ہوتی تو چھت ٹپکتی اور فرش پر پانی کھڑا ہو جاتا۔ اور ہمارا جو بکس تھا وہ پانی میں تیرنے لگتا جس طرح طوفان نوح میں کشتی تیرتی تھی۔ تو شروع میں یہ حال تھا۔ مگر بعد میں احمد نگر میں بلڈنگ لے لی گئی تو ہم ہر روز صبح 4 میل پیدل چل کر وہاں پڑھنے جایا کرتے تھے۔ اور پھر 4 میل پیدل چل کر واپس آتے تھے۔ ہم ربوہ میں جس ہوسٹل میں رہتے تھے وہ غیر ملکیوں کا ہوسٹل تھا۔ اس میں مختلف ملکوں سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ انگلستان سے Rose نامی کوئی شخص تھے۔ جرمنی کے عبدالشکور کُنزے تھے۔ امریکہ سے ایک بلیک امریکن اور ایک وائٹ امریکن تھے۔ ٹرینیڈاڈ سے بھی ایک صاحب آئے ہوئے تھے۔ چین سے ہمارے عثمان چُو صاحب، ابراہیم وان اور ادریس وان تھے۔ اتنے مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کے اس ہوسٹل کو چڑیا گھر کہہ دیا کرتے تھے مگر بڑے ہی اچھے دن تھے جو ہم نے وہاں گزارے۔

☆ بعد میں فیصلہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ ہر روز پیدل چل کر احمد نگر جایا جائے ہم لوگ وہاں ہی رہا کریں۔ اُن دنوں کی بات ہے کہ احمد نگر میں چین سے آئے ہوئے ادریس وان بیمار ہو گئے۔ ربوہ میں ایک نوجوان ڈسپنسر ہوتے تھے، وہ بھجوائے گئے۔ تبشیر نے ان کو بھیجا ہو گا کہ جا کر مریض کو دیکھ لیں۔ وہ نوجوان ڈاکٹر صاحب جب وہاں پہنچے تو سب سے پہلے میرے کمرے میں آئے۔ مجھ سے پوچھا کہ یہ صاحب جو بیمار ہیں یہ کیا کھاتے رہے ہیں؟ ادریس وان صاحب کو پلاؤ بہت زیادہ پسند تھا۔ پھر پلاؤ کے اوپر زردہ بھی شوق سے کھایا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ پرسوں یہاں پلاؤ پکا تھا تو انہوں نے دو تین پلیٹیں کھائی تھیں۔ زردہ تو صرف ایک پلیٹ ہی کھایا تھا۔ مجھ سے یہ باتیں معلوم کر کے وہ ادریس وان صاحب کے کمرے میں چلے گئے اور سٹیتھوسکوپ ان کے پیٹ پر لگا کر کہنے لگے آپ نے تو پلاؤ کافی زیادہ کھایا ہوا ہے۔ پھر دوبارہ سٹیتھوسکوپ لگایا اور کہا کہ پلاؤ کی تو آپ نے 3 پلیٹیں کھائی ہوئی ہیں۔ پھر سٹیتھوسکوپ لگایا اور کہا پلاؤ کے اوپر زردہ بھی کھایا ہے۔ پھر بیمار تو آپ نے ہونا ہی تھا۔ مگر فکر نہ کریں اس کی دوائی ہے میرے پاس۔ چنانچہ انہوں نے ادریس کو دوائی دی اور چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ابراہیم وان میرے کمرے میں آئے اور کہنے لگے کہ بھئی یہ ڈاکٹر تو کمال کا ہے اس کو تو سب پتہ لگ جاتا ہے کہ کسی نے کیا کھایا ہوا ہے اور کتنا کھایا ہے۔ میں ان کی باتیں سن کر خاموشی سے مسکراتا رہا اور انہیں پتہ نہیں لگنے دیا کہ یہ سب کچھ تو میں نے اس ڈاکٹر کو بتایا تھا۔ (جاری)

یادوں کے دریچے

(مطیع اللہ درد)

1953/54 کی بات ہے۔ میں تعلیم الاسلام کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھا۔ برادرم کنور ادریس صاحب (سابق چیف سیکریٹری سندھ) کالج کے رسالہ 'المنار' کے انگریزی حصّہ کے مدیر تھے اور میں اردو حصے کا۔ مکرم کنور ادریس صاحب فارغ وقت میں مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بطور پروف ریڈر کام کرتے تھے۔ اُس وقت لاہوری جماعت کے مولانا محمد یعقوب صاحب اس اخبار کے ایڈیٹر ہوا کرتے تھے۔ میں نے (اپنے پھوپھا) حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ سے درخواست کی کہ مجھے بھی کنور ادریس صاحب کی طرح سول اینڈ ملٹری گزٹ میں لگوا دیں۔ چوہدری فتح محمد صاحب بہت ہمدرد اور سادہ مزاج تھے اور آپ احمدی طلبا کی ہر ممکن مدد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ از راہ شفقت آپ مجھے اپنے ساتھ لے کر سول اینڈ ملٹری گزٹ کے دفتر تشریف لے گئے۔ مولانا یعقوب صاحب حضرت چوہدری صاحب کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ چوہدری صاحب نے اپنے آنے کی غرض بیان کی چنانچہ ان کے کہنے پر مولانا یعقوب صاحب نے مجھے بھی پروف ریڈنگ کے کام پر لگالیا۔ یوں ہم دونوں رات گئے تک اخبار کی پروف ریڈنگ کا کام کر کے اپنے فارغ اوقات کے تعمیری استعمال کے ساتھ اچھا خاصا جیب خرچ بھی بنا لیا کرتے تھے۔

چند سال ہوئے مکرم کنور ادریس صاحب جلسہ U.K پر تشریف لائے تو ہم نے اپنے کالج کی 60 برس پہلے کی یادوں کو خوب تازہ کیا اور جب سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ساتھ گزارے ہوئے دنوں کا تذکرہ ہوا تو کنور ادریس صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے خالی پروف ریڈر مت کہو۔ میں تو سینئر پروف ریڈر تھا۔ اس پر میں نے اپنا جونیئر پروف ریڈر ہونا تسلیم کیا اور یوں ہم دونوں تعلیم الاسلام کالج کے بیتے دنوں کی باتیں کر کے لطف اندوز ہوتے رہے۔

انگلستان میں جماعت کے پہلے مبلغ کی آمد کے لحاظ سے 2013 میں 100 سال پورے ہو رہے ہیں۔ یہ سعادت حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کے حصّے میں آئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی میں آپ کی وقف زندگی کی درخواست کو قبول فرمایا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے 1913 میں انہیں مبلغ اسلام کے طور پر لندن بھجوایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا وہ خط جس میں آپ نے حضرت چوہدری صاحب کو بڑے پیار سے نصائح فرمائی ہوئی ہیں میرے پاس موجود ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مجھے حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحبؓ کی خدمت کرنے کی ایک خاص سعادت نصیب ہوئی۔ وہ یہ کہ 1960 میں آپ کی وفات سے قبل آپ کی دیکھ بھال کرنے کا موقع خاکسار کو حاصل ہوا۔ قمر الانبیا حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ (ہم جن کے پڑوس میں رہتے تھے) آپ نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میں ہر گھنٹے کے بعد جا کر انہیں حضرت چوہدری صاحب کی صحت کے بارے میں اطلاع دیتا رہوں۔ چنانچہ میں حسبِ ہدایت ہر گھنٹے کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر رپورٹ دیتا رہا۔ اگلی صبح حضرت چوہدری صاحبؓ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میلروز روڈ پر واقع جماعت کی جائیداد (موجودہ مسجد فضل لندن) حضرت چوہدری صاحب کے نام پر تھی اور تحریک جدید والوں نے چوہدری صاحب کی وفات سے کچھ عرصہ قبل ہی ان کے نام سے اپنے نام پر ٹرانسفر کروائی تھی۔ حضرت چوہدری صاحب کی بطور مبلغ انگلستان میں آمد پر امسال 100 سال کا عرصہ پورا ہو گیا ہے۔ سو میں نے مناسب خیال کیا کہ اس حوالے سے یہ چند واقعات ریکارڈ میں لے آؤں۔

بس کا کرایہ (قریشی عبدالرشید)

پارٹیشن کے بعد تعلیم الاسلام کالج نے اپنا دوسرا جنم لاہور میں لیا تھا جس کے ابتدائی طالب علموں میں میں بھی شامل تھا۔ میں اس کلاس میں تھا جسے مکرم فیضی صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے سلطان محمود شاہد صاحب سے براہ راست پڑھنے کا اتفاق مجھے نہیں ہوا۔ البتہ کالج کے استاد ہونے کے ناطے ان سے ایک تعلق اور تعارف ضرور تھا۔ تعلیم الاسلام کالج سے گریجویشن کرنے کے بعد میں نے لاء کیا اور وکالت سے منسلک ہو گیا۔ دورانِ وکالت مجھے ایک مرتبہ ربوہ جانے کا اتفاق ہوا جہاں مکرم پروفیسر سلطان محمود شاہد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حال احوال دریافت کرنے کے بعد باتوں ہی باتوں میں معلوم ہوا کہ تنخواہ ملنے میں ابھی کچھ دن باقی ہیں مگر کسی مجبوری سے انہیں اپنی فیملی کے پاس لاہور جانا ضروری ہے۔ مجھ سے پوچھا تمہارے ساتھ چلوں؟ میں نے کہا ضرور چلیں۔ ابھی ہم بس اڈے کی طرف روانہ ہوئے ہی تھے کہ رستے میں انہیں ایک آدمی ملا۔ آپ اس سے ملے اور پھر مسکراتے ہوئے میری طرف واپس آئے (مجھے ان کے چہرے کی وہ مسکراہٹ آج بھی یاد ہے) کہنے لگے کہ خدا نے نہ صرف بس کے کرائے کا انتظام کر دیا ہے بلکہ فیملی کیلئے مہینے کے خرچ کا بھی مہیّا کر دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ آدمی کالج میں زیر تعلیم اپنے بیٹے سے ملنے کے لئے آیا تھا مگر اتفاق سے اس کا بیٹا اسے مل نہیں سکا۔ اس لئے اس نے اپنے بیٹے کو پہنچانے کیلئے کچھ رقم مجھے دی ہے۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ اس وقت تو میں لاہور جا رہا ہوں چند دن بعد واپسی ہوگی تو تب ہی اس کے بیٹے کو رقم دے سکوں گا۔ خدا کی حاجت روائی کی راہیں بھی اسقدر عجیب ہیں کہ انسان حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

فزکس کی کلاس (عطاء القادر طاہر)

میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں زیر تعلیم تھا اور بی ایس سی کے آخری سال میں تھا۔ یوں تو ڈاکٹر نصیر خان صاحب ہمارے فزکس کے استاد تھے مگر ایک Topic ہمیں پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ آپ بہت ہی مشفق اور بزرگ استاد تھے۔ امتحانات سے قبل فزکس کی آخری کلاس آپ ہی نے لینی تھی۔ کلاس میں آتے ہی مکرم میاں صاحب نے اعلان فرمایا کہ آج پڑھائی نہیں، دوہرائی (Revision) ہوگی یا پڑھائے گئے کورس میں سے اگر کوئی بات پوچھنے والی ہو تو پوچھی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد کلاس میں خاموشی چھا گئی۔ مکرم میاں صاحب نے بھانپ لیا کہ کوئی بھی طالب علم سنجیدگی سے Revision میں مصروف نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک جو کچھ پڑھنا تھا آپ پڑھ چکے ہیں لہٰذا ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں کہیں ایسا نہ ہو کہ Confuse ہو جائیں۔

اس پر ایک طالب علم نے پوچھا کیا ہم فزکس کے علاوہ کسی اور بارے میں آپ سے دریافت کر سکتے ہیں؟ آپ نے مسکراتے ہوئے اجازت دے دی۔

چنانچہ اس طالب علم نے تعلیم الاسلام کالج کی ہسٹری کے بارے میں دریافت کیا تو مکرم میاں صاحب نے پہلے مدرسہ تعلیم الاسلام اور پھر قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کے اجراء کے

واقعات بیان کرنے شروع کئے۔ تقسیم ہند کا ذکر بھی ہوا اور پھر اس کے نتیجے میں کالج کی لاہور اور ربوہ منتقلی کی تفصیلات بیان فرمائیں۔ تقسیم ہند کے ضمن میں بوقت ہجرت مسلمانوں کے قافلوں پر سکھوں کے حملوں اور ان کی طرف سے کی جانے والی قتل و غارت گری کا جب تذکرہ ہوا تو میں نے دریافت کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ سکھوں کے اس مخالفانہ طرزِ عمل کی وجہ مذہبی تھی یا سیاسی؟ فرمایا تم نے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سکھوں کا مسلم مخالف رویہ خاصا پرانا ہے جس کی وجہ سیاسی تھی جو بعد میں مذہبی دشمنی میں بدل گئی۔ ہوا

یوں کہ مغل شہنشاہ اکبر اعظم کا آخری زمانہ تھا۔ اکبر کا بیٹا جہانگیر خود سر اور باپ کا نافرمان تھا۔ اس لئے اکبر، جہانگیر کی بجائے اس کے بیٹے شہزادہ خسرو کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اس بناء پر جہانگیر اور خسرو کے مابین

رقابت بھی پائی جاتی تھی۔ بہرحال اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر تخت نشین ہو گیا جس کا شہزادہ خسرو کو بہت رنج ہوا۔ چنانچہ جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے دو ماہ بعد ہی شہزادہ خسرو نے اپنے باپ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا اور ایک چھوٹی سی فوج لیکر پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ رستے میں اس نے کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے گٹھ جوڑ کیا اور ان کی مدد حاصل کر لی۔ جب اس نے سکھوں کے مشہور گرو ارجن دیو سنگھ کی آماج گاہ

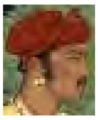

ترن تارن پہنچ کر بادشاہ کے خلاف مدد مانگی تو گرو ارجن دیو سنگھ نے نہ صرف اسے کامیابی کے لئے آشیر واد دی بلکہ عملی مدد بھی فراہم کی۔ چنانچہ خسرو نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اسی اثناء میں جہانگیر ایک بڑی فوج لے کر خسرو کے تعاقب میں نکلا اور خسرو کی بغاوت کا قلع قمع کر کے لاہور پر اپنا قبضہ بحال کیا۔ خسرو کو قید میں ڈال دیا اور خسرو کا ساتھ دینے والے امراء اور سالاروں کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ گرو ارجن دیو سنگھ کے قتل کا حکم جاری کیا۔ اپنے گرو کے قتل کا سکھوں کو بہت رنج ہوا۔ وہ مغلوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ اس طرح یہ سیاسی انتقام مذہبی دشمنی میں کا رنگ اختیار کر گیا جو گزشتہ کئی صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ ہم ان دلچسپ تاریخی واقعات کے سننے میں ایسے منہمک ہوئے کہ پتہ ہی نہیں چلا کہ پیریڈ ختم ہو چکا ہے۔

سُخن یہ بے سبب لکھا نہیں ہے
سُخن کوئی مِرا پیشہ نہیں ہے
یہ جُوئے شیر مرہونِ جنوں ہے
قلم ہے ہاتھ میں تیشہ نہیں ہے
زباں میں ہے بلا کی صاف گوئی
گلوئے شعر میں ریشہ نہیں ہے
بقا حق کو سرِ مقتل ملی ہے
فنا کا اس کو اندیشہ نہیں ہے

(مقصود الحق)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے نادار اور مستحق طلبہ کی امداد کی بابرکت تحریک جاری فرمائی ہوئی ہے۔ اس میں دل کھول کر حصّہ لیں۔ ان کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ آپ بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر شامل ہوں۔

☆ممبرشپ فیس (£24 سالانہ) حضور انور کی منظور فرمودہ ہے۔ اگر آپ نے گزشتہ سال یا اس سال کی ممبرشپ فیس ابھی تک ادا نہیں کی تو فوری طور پر ادا فرمادیں۔ ہر دو ادائیگیوں کا طریق یہ ہے کہ TIC OLDSTUDENTS ASSOCIATION کے نام کا چیک بنا کر 53 Melrose Road London, SW18 1LX پر ارسال کر دیں۔

شگفتہ شگفتہ

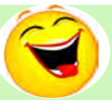

رونے کی وجہ

ایک بچہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا۔ ماں نے رونے کی وجہ پوچھی تو بچے نے کہا ''ابا جان دیوار میں کیل گاڑ رہے تھے تو ان کے ہاتھ پر ہتھوڑی لگ گئی''

ماں بولی: ''بیٹا بہادر بچے ذرا سی بات پر روتے نہیں! تمہیں تو ہنسنا چاہیے تھا''

بچے نے جواب دیا: ''امی ہنسا ہی تو تھا''

مذاق

بیوی خاوند سے: آج میری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی

خاوند: اوہ! میں تو شاپنگ پہ جانے کا سوچ رہا تھا

بیوی: میں تو مذاق کر رہی تھی

خاوند: میں بھی مذاق کر رہا تھا

اللہ کی خاص رحمت

مریض ڈاکٹر سے: مجھے عجیب سی بیماری ہوگئی ہے۔ جب میری بیوی بولتی ہے تو مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا

ڈاکٹر: یہ بیماری نہیں! تم پر اللہ کی خاص رحمت ہے۔

محبوبہ کی دین

فقیر: دس روپے دے دو صاحب! چائے پیوں گا

آدمی: مگر چائے تو پانچ روپے کی آتی ہے

فقیر: میری محبوبہ بھی پیئے گی

آدمی: کیا؟ فقیر نے محبوبہ بنالی؟

فقیر: نہیں جناب! محبوبہ نے فقیر بنا دیا!

مگر یہ 2 دانت...

ایک صاحب دوستوں کی محفل سے اُٹھ کر رات بہت دیر سے گھر گئے۔ دوسرے دن دوستوں نے ان سے پوچھا! ارے یار یہ تو بتاؤ کہ بھابھی نے دیر سے آنے پر تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟

ان صاحب نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا کوئی خاص بات نہیں۔ یہ سامنے کے 2 دانت تو میں ویسے بھی نکلوانا ہی چاہتا تھا۔

روٹیاں جلنے لگیں...

بیوی کچن سے: ''سنتے ہو! میں دن بدن خوبصورت ہوتی جارہی ہوں

شوہر (حیران ہوتے ہوئے): ''اچھا! وہ کیسے؟''

بیوی: اب تو مجھ سے روٹیاں بھی جلنے لگی ہیں۔

ذرّوں کی کہانی - آصف کی زبانی

(آصف علی پرویز)

(قسط ششم)

گزشتہ قریباً ڈیڑھ صدی کے عرصے میں سائنسی علوم نے ترقی کی ایسی بلند چوٹیاں عبور کی ہیں کہ انسانی سوچ حیرت کی تصویر بنی ہوئی ہے۔اس سے قبل دنیا روشنی کی صرف 2 قسموں سے ہی واقف تھی یعنی عام (visible) روشنی اور حرارت جسے سائنسی اصطلاح میں INFRA RED RAYS کہا جاتا ہے۔مگر جب سائنس دان روشنی کی دقیق تحقیق کے میدان میں اترے تو رفتہ رفتہ روشنی کی کئی پرتیں اور اقسام سامنے آتی چلی گئیں اور نورٌ علیٰ نور کے نہاں در نہاں جہانوں سے آشنائی ہوتی چلی جانے لگی۔اب تک روشنی کی کئی اقسام کی لہریں اور شعائیں دریافت ہوچکی ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر اختصار کے ساتھ کرتا ہوں۔

(۱) مائیکروویوز (MICROWAVES): روشنی کی ان شعاؤں سے آگاہی حاصل کرنے کا

بہترین ذریعہ آجکل گھروں میں کثرت سے استعمال ہونے والا ''مائیکروویو اوون'' ہے۔''مائیکرو ویوز'' نامی روشنی کی یہ نادیدہ شعائیں جہاں ہمارے کھانوں کو بڑی سرعت سے گرم کرنے اور پکانے کا موجب بنتی ہیں وہاں ٹیلی کمیونیکیشن کا نظام بھی انہی کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔

(۲) ریڈیوویوز: روشنی کی یہ لہریں ہمارے مواصلاتی نظام کی جان ہیں۔ہم ریڈیو سے لطف

اندوز ہورہے ہوں، T.V پر حضور کا خطبہ سن اور دیکھ رہے ہوں، اپنے موبائل فون پر دوستوں سے محوِ گفتگو ہوں یا اپنے کمپیوٹر کی سکرین پر ذرّوں کی کہانی ہی کیوں نہ پڑھ رہے ہوں ان سب میں بنیادی کردار ریڈیو ویوز ہی ادا کررہی ہوتی ہیں۔گویا یہ آوازیں، تصویریں اور انٹرنیٹ کی تحریریں انہی ریڈیوویوز کے دوش پر ہم تک پہنچتی ہیں۔

(۳) ریڈارویوز: ہم میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ جہازوں کی راہنمائی کیلئے ریڈار کا استعمال

عام ہے۔میں گزشتہ 24 سالوں سے ایک ائرلائن سے منسلک ہوں اس لئے مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے کہ ریڈار کے بغیر کسی جہاز کا اڑنا ایسے ہی ہے جیسے کسی اندھے کا بغیر کسی کی مدد کے چلنا۔شاید آپ میں سے بہتوں کو علم نہ ہو کہ جہاز کے اگلے حصے میں ایک ریڈار لگا ہوتا ہے جو پائلٹ کو کسی بھی قسم کی رکاوٹوں مثلاً پہاڑ وغیرہ سے خبردار اور موسم کے بارے میں معلومات سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔جبکہ جنگی جہازوں کے لئے تو سب سے اہم جزو ریڈار ہی ہوتا ہے۔کسی ٹارگٹ کو نشانہ بنانا ہو یا اپنے جہاز کو دشمن کے حملے سے بچانا ہو تو اس میں بنیادی کردار ریڈار ہی ادا کرتا ہے۔

(۴) بالائے بنفشی شعائیں: یہ شعائیں سورج میں بکثرت پائی جاتی ہیں اور سورج سے نکل کر

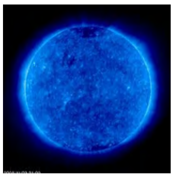

ہم تک پہنچنے والی شعاؤں کا قریباً 10 فیصد حصہ انہی بالائی بنفشی شعاؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔اگر یہ شعائیں زیادہ دیر تک انسانی جسم پر پڑتی رہیں تو جلد کے کینسر کا موجب بھی بن سکتی ہیں۔روشنی کی یہی شعائیں ہیں جو جلد کی سفیدی کو گندمی رنگت میں تبدیل کرتی ہیں۔یہ شعائیں محض نقصان کا باعث ہی نہیں بلکہ بہت فائدہ مند بھی ہیں اور وہ یوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع انسانی جسم میں وٹامن D پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں جو انسانی صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔

(۵) ایکس ریز: روشنی کی یہ قسم انسانی گوشت سے گزرتی ہوئی ہڈیوں تک جا پہنچتی ہے اور ان کی تصاویر لینے میں بہت کام آتی ہے۔ڈاکٹر ان تصاویر کو دیکھ کر معلوم کرلیتا ہے کہ ہڈی کہاں سے ٹوٹی ہوئی ہے۔شکر ہے کہ انسانی آنکھ کو ایکس ریز کی قوت نہیں بخشی گئی۔وگرنہ ستر باقی نہ رہتا اور ہم کپڑے پہننے کے باوجود ننگے نظر آتے۔

(۶) گیماریز: یہ نہایت طاقتور اور خوفناک حد تک خطرناک شعائیں ہیں۔اگر یہ شعائیں جسم پر

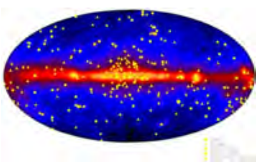

کچھ عرصہ تک پڑتی رہیں تو کینسر میں مبتلا کرکے موت سے دوچار کرسکتی ہیں۔اگرچہ یہ شعائیں سورج اور بعض دیگر ستاروں سے ہر لحہ زمین پر پڑ رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ضرر سے بچانے کے لئے زمین کو مقناطیسی چھتری میں محفوظ فرمایا ہوا ہے۔

گیماریز کا مثبت پہلو یہ ہے کہ کینسر پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ان شعاؤں کو کینسر ختم کرنے میں بڑی احتیاط سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔اور یوں بظاہر یہ نہایت خوفناک شعائیں اس موذی مرض کے علاج اور شفا کے لئے استعمال ہورہی ہیں۔

روشنی بطور ذرّہ (PHOTON): اللہ تعالیٰ نے روشنی کو یہ خوبی عطا فرمائی ہوئی ہے کہ وہ بیک

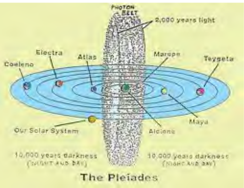

وقت لہر بھی ہے اور ذرّہ بھی۔آئن سٹائن نے روشنی کے ذرّاتی پہلو (Photon) کا حتمی ثبوت 1905 میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔موجودہ دور میں سولر انرجی کے کمالات اسی ذرّے کے مرہونِ منّت ہیں۔سورج کی روشنی سے پیدا کی جانے والی بجلی کے عمل میں ہوتا یوں ہے کہ جب سورج کی شعائیں سولر پینل پر پڑتی ہیں تو سولر پینل روشنی کی شعاؤں میں سے الیکٹران کو الگ کردیتا ہے اور جیسا کہ گزشتہ مضامین میں بیان کیا جاچکا ہے کہ بجلی دراصل الیکٹران کی حرکت ہی کا نام ہے۔چنانچہ جب روشنی کی شعاؤں میں سے سولر پینل کے ذریعے الیکٹران الگ ہوتے ہیں تو بجلی پیدا ہونے لگتی ہے۔

تصویر میں دکھایا گیا چارٹ ظاہر کرتا ہے کہ روشنی لہر بھی ہے اور مقررہ طاقت رکھنے والا ذرّہ بھی۔

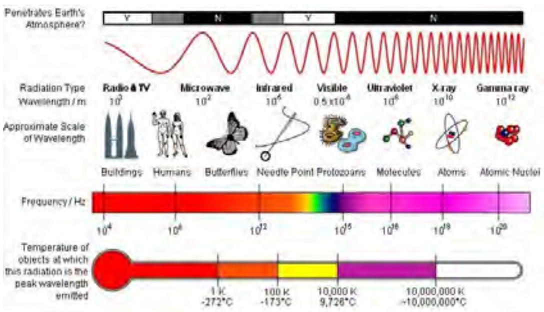

اس کی طویل سائنسی تفصیل میں جائے بغیر اتنا جان لینا کافی ہوگا کہ روشنی بیک وقت بطور لہر اور بطور ذرّہ دونوں حالتیں اپنے اندر رکھتی ہے۔اور اگر گہرائی سے مشاہدہ کیا جائے تو "نورٌ علیٰ نور" کا وسیع مضمون روشنی کی لہری صفت کے ساتھ روشنی کی ذرّاتی صفت پر بھی چسپاں ہوتا ہوا دکھائی دے گا

کیا عجب تونے ہراک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

روشنی کی دوہری صفت کی حکمت: میری ناقص رائے میں روشنی کی دہری صفت یعنی اس کا لہر اور ذرّہ ہونا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ کررہا ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فعل سے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں (Duality) دوہرا پن پایا جاتا ہے سوائے اس کی اپنی ذات واحدولاشریک کے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۷﴾

"پاک ہے وہ جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے۔اس میں سے بھی جو زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفوس میں بھی اور ان چیزوں میں بھی جن کا وہ کوئی علم نہیں رکھتے" (سورۃ یٰسین آیت 37)

(جاری)

قصہ کالج کے ID کارڈ کا

(محمد شریف خان)   قسط سوم

گکھڑمنڈی سے ربوہ کے لئے گوجرانوالہ سرگودھا بس پکڑنے صبح سات بجے بابو ٹرین کے ذریعے گوجرانوالے پہنچنا ہوتا، جو گوجرانوالہ سے حافظ آباد، چنیوٹ اور ربوہ سے گزرتی ہوئی سرگودھا پہنچتی۔ کئی بار آتے جاتے چنیوٹ لاری اڈے پر سواریوں کے انتظار میں گھنٹہ 3 گھنٹہ بھر کھڑی رہتی۔ میں وعدہ کے مطابق بس میں ہی بیٹھا بس کے چلنے کا منتظر رہتا۔ کھڑکی سے باہر کھانے پینے کی دکانوں اور طرح طرح کے مختلف الہیت فقیروں کی قطاروں کو دیکھتا تو سوچتا شائد چنیوٹ کی گندگی سے اپنے طلباء کو بچانے کے لئے کالج انتظامیہ نے طلباء کے لئے چنیوٹ کو out of bound قرار دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اچھا ہی کیا ہے! اور پھر چوہدری صاحب کے سامنے پیشی کی خفت! میں اپنی ضروریات چنیوٹ سے بیس میل پہلے ہی پنڈی بھٹیاں کے قدرِ صاف ماحول کے بس سٹاپ پر پوری کر لیتا۔

1963 میں جب بطور لیکچرر کالج جائن کیا تو میری بیالوجی کلاس میں ایک مسکراتے خوبصورت چہرے والا شریف سالک کا اشرف دیندار تھا۔ لیبارٹری والوں نے بتایا کہ اسکے والد ہندو تھے اور بہت کامیاب ڈاکٹر ہیں اور بہت صاحب جائیداد۔ تقسیم ملک کے وقت جب لوگ انہیں قتل کرنے آئے تو مسلمان ہو گئے، ساری جائیداد مسلمانوں کے حوالے کر دی۔ اب دیندار ڈاکٹر کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اُن دنوں کی دہشت نے انکے اکلوتے بیٹے اشرف کے دماغ پر گہرا اثر چھوڑا، یہ ڈر اس غریب کے دل و دماغ پر اثر انداز ہو کر اس کے چہرے پر ہر وقت عجیب قسم کی لاجتی سی مسکراہٹ چھوڑ گیا کہ دیکھنے والا محسوس کیئے بغیر نہ رہ سکتا۔ اشرف کے والد اب بھی ارد گرد کے دیہات میں مشہور معالج تھے۔ بہر حال امتحان ہوا کلاس بدل گئی، اشرف کے ساتھ ہی گزشتہ سال کے طلباء یاد سے بھول بسر گئے!

1974 میں کالج کے قومیائے جانے پر پہلے پہلے کالج سٹاف کو تنخواہ کے لئے جھنگ treasury جانا پڑتا، بعد میں چنیوٹ treasury سے منسلک نیشنل بنک کا پھیرا رہتا، جہاں ہم عام طور پر کچہری بس سٹاپ پر اترتے۔ ایک بار ہمیں بس نے مین بازار کے سامنے اتار دیا، جہاں سے گلیوں میں پڑے تو کئی سال پہلے کی گلیوں کی "رونق" کی یاد نے جسم میں جھرجھری دوڑا دی! ڈرتے ڈرتے گلیوں کا جائزہ لیا، اب کے گلیوں میں کچھ صفائی نظر آئی۔ شائد چھ میل دور ربوہ کے صاف ستھرے ماحول کی برکت تھی!

ناگہاں ایک گلی کی نکر پر وہی اشرف کا مسکراتا چہرہ نظر پڑا، اب وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا، اسکی اُنگلی پکڑے چار پانچ سال کا خوبصورت بچہ تھا۔ اشرف ہمیں دیکھ کر جلدی سے پاس آیا: سر سلام، اوہ اشرف تم ہو، کیسے ہو؟۔ سر میں ٹھیک ہوں۔ کیا کرتے ہو۔ سر میں ابا کے ساتھ دکان پر کام کرتا ہوں۔ یہ بچہ کون ہے، سر میرا بیٹا ہے، ایک بوسیدہ گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، میں ابھی ایک مریض کو ڈرپ لگا کر آیا ہوں۔ جب اُس طرف دیکھا تو چوپٹ کھلے دروازے سے دور وہ بچھی چار پائیوں کی قطاریں مریضوں سے لدی نظر پڑیں! بہت اچھا بیٹے، اللہ تمہیں خوش رکھے! تو یہ اشرف دیندار سے آخری ملاقات تھی۔

تو بات ہو رہی تھی فضل عمر ہوسٹل میں رہائش کی۔ موسم گرما کی چھٹیوں کے بعد کالج کھلنے پر ربوہ بس سٹاپ پر پہنچا، ستمبر کی دو پہر کے دو بجے تھے، چلچلاتی دھوپ، گرم گرم لو کے گرد آلود تھپیڑے بد حال کیئے دیتے تھے، کلینر نے میرا بستر اور اٹیچی چھت سے پکڑا دیا، اور بس یہ جا وہ جا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کوئی تانگہ تُلی دکھائی نہ دیا، پریشان کھڑا تھا کہ ایک خوش شکل نوجوان میری طرف یہ کہتے بڑھا، کتھے جاؤ گے؟ فضل عمر ہوسٹل کالج۔ چلو میں لے جاناں۔ بستر سر پر اور اٹیچی بغل میں داب میرے آگے آگے چل پڑا۔ رستے میں مجھے پوچھا: کیڑھی جمات پڑھدے او۔ فورتھ ایئر۔ میں جھوٹ پر کچھ پریشان سا ہوا مگر ہم درے والی پہاڑی کے آگے سے کالج کی طرف مُڑے، ریلوے لائین عبور کی، گیٹ سے گزر کر ہوسٹل میں داخل ہوئے۔ دونوں پسینے سے شرابور، نوجوان نے سامان میرے کمرے کے باہر اتارا، میں نے اجرت دی، وہ سلام کرکے جانے لگا تو میں نے اُس کیلئے گھڑے سے گلاس بھرا ہی تھا، کہ وہ سلام کر کے کمرے سے نکل گیا۔

اگلے دن کالج کھلا۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے، مجھے وہ نوجوان کتابیں پکڑے ایک نکر پر نظر پڑا، آنکھیں ملیں اسنے نظر چرالی۔ میں شرم سے پانی پانی، ہیں یہ کالج میں پڑھتا ہے! پتا چلا موصوف فورتھ ایئر کا اچھا طالب علم ہے اور میں اپنے جھوٹ پر پریشان۔ اس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا، اگرچہ کالج سے فیس کی رعائت تھی مگر گھر کے خرچے میں حصے داری کے لیئے فارغ وقت میں محنت مزدوری کرتا۔ میں ہمیشہ، جب بھی ہمارا ٹاکرا ہوتا، خفت سے نظریں چرا جاتا، ایک دن اس نے مجھے روکا، آپکا نام کیا ہے، آپ کے subjects ایف ایس سی میڈیکل ہیں نا، میں سوائے ندامت کے کیا جواب دیتا، اگر کسی قسم کی ضرورت ہو مجھے بتائیں۔ میں نے بات ٹالنے کے لیئے خفت بھری آواز میں اچھا کہا۔ جب کبھی کلاس رومز میں آتے جاتے علیک سلیک ہوتی کچھ باتیں ہوتیں، محنت مشقت نے موصوف کی گفتگو میں ایک خاص قسم کی خوداعتمادی پیدا کر دی تھی۔

میں B.Sc کے لئے اسلامیہ کالج سول لائیز لاہور چلا گیا۔ اس دوران موصوف نے ایم اے اکنامکس کیا، تعلیم الاسلام کالج میں کچھ عرصہ پڑھایا، شادی ہوئی، کنیڈا چلا گیا۔ اب پتہ چلا وفات پا کر اپنے مالک حقیقی کے پاس چلا گیا ہے۔ اس قسم کے کئی بے نام ہیرو کی آئی ڈی تعلیم الاسلام کالج ہے۔ آیئے سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جب بھی موقعہ ملتا ہے میں کالج کے ایسے سپوتوں کے لئے دعا کرتا ہوں جنہوں نے کٹھن حالات میں تعلیم کے حصول کو خیر باد نہیں کہا تھا اور رزقِ حلال کے لئے ہمیشہ تگ و دو میں لگے رہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے 1944 میں قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کا افتتاح کرتے ہوئے کالج کو آئی ڈی عطا فرمائی تھی:

"یہ تقریب جو تعلیم الاسلام کالج کے افتتاح کی ہے اپنے اندر دو گونہ مقاصد رکھتی ہے، ایک مقصد تو اشاعتِ تعلیم ہے جس کے بغیر تمدنی اور اقتصادی حالت کسی جماعت کی درست نہیں رہ سکتی۔ جہاں تک تعلیمی سوال ہے یہ کالج اپنے دروازے ہر قوم اور ہر مذہب کے لئے کھلے رکھتا ہے کیونکہ تعلیم کا حصول کسی ایک قوم کے لیئے نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تعلیم کو بحیثیت ایک انسان ہونے کے ہر انسان کے لیئے ممکن اور سہل الحصول بنا دیں"۔

اسوقت سے نظامِ تعلیم الاسلام کے تحت قائم ہونے والے ہر ادارے کا یہ رہنما اعلان "آئی ڈی کارڈ"، رہا ہے۔ عزیزم جمیل الرحمٰن نے ہمیں جسکی یاد کیا خوب دلائی ہے:

دشت ختن کا حال ابھی یاد ہے مجھے   وہ قریۂ غزال ابھی یاد ہے مجھے
معصوم خواہشوں نے جہاں چوکڑی بھری   جس میں شبابِ ذات کی تہذیب نو ہوئی
تھی مشکبار جس کی فضا میں ہوائے دی
وہ مہبطِ جمال ابھی یاد ہے مجھے   وہ قریۂ غزال ابھی یاد ہے مجھے

تعلیم الاسلام کے در و بام میں چلتے پھرتے پیار و محبت، صلح و آشتی سے منور فرشتہ چہرے بھلا کون بھول سکتا ہے۔ ہر سال طلباء کے آنے جانے سے کالج کا کینوس بدلتا رہتا، اساتذہ ہر صبح چاک لئے اُسی لگن سے ملک و ملت کے مستقبل کے معماروں کے خاکے بلیک بورڈوں پر تراشنے جُت جاتے! صبح پڑھاتے، شبینہ دعاؤں میں شاگردوں کو یاد کرتے، صبح پھر پراُمید امنگوں اور مسکراتے چہروں کے ساتھ اپنا فرضِ منصبی سنبھال لیتے:

کالج کی راہداریوں سے گزرتے وقت کلاس رومز سے استاد کے لیکچر کی آواز کے درمیان کبھی کبھی سمویا ہوا اچانک قہقہہ سننے کو ملتا، ثقیل مضمون کی ثقیلیت کم کرنے کے لئے استاد کبھی کبھی کوئی دلچسپ چٹکلا چھوڑ دیتے، طلباء کی ساری کلفت دور، ہشاش بشاش ماحول میں سبق پھر سے شروع ہو جاتا!

سادہ درویش استاد۔۔۔ ہاتھ طلباء کی نبض پر اور دل میں دعا!

یہ ہے ہماری پہچان۔ ہمارا آئی ڈی کارڈ۔ یہ سدا بہار یادیں بھولنے کی نہیں! (جاری)